(100)

خوبی کو ظاہر کرنا اور بُرائی کو چھُپانا

(فرمودہ ۱۲ ؍ نومبر ۱۹۲۰ء)

حضور نے تشہد و تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا کہ:۔

آج مَیں اسی مضمون کے متعلق کچھ بیان کرنا چاہتا ہوں جس کے متعلق پچھلے جمعہ بیان کیا تھا کیونکہ اس امر کی طرف جماعت کی توجہ کم ہے۔

دُنیا میں دو باتیں ہمیں ایسی نظر آتی ہیں۔ اور ہر قوم اور ہر ملک میں نظر آتی ہیں۔ جن کو دیکھ کر یہ فیصلہ کئے بغیر نہیں رہا جاتا کہ یہ باتیں فطرت میں داخل ہیں۔ فطرت کے تقاضے اور انسانوں کی ذاتی اور قومی اور ملکی عادتوں میں یہ فرق ہے کہ فطرتی تقاضے سب میں پائے جاتے ہیں۔ مثلاً بعض باتیں ہیں۔ جو عیسائیوں میں بکثرت پائی جاتی ہیں۔ اسی طرح بعض ہیں جو مسلمانوں میں اسی کثرت سے پائی جاتی ہیں۔ بعض ہندوؤں میں پائی جاتی ہیں، لیکن جو فطرتی تقاضے ہیں وہ بلا تفریق مذہب و قومیت سب انسانوں میں پائے جاتے ہیں۔ پس جو باتیں سب میں پائی جاتی ہیں۔ ان کا سب میں پایا جانا ثبوت ہے اس امر کا کہ وہ فطرتی باتیں ہیں اور جو سب میں نہیں وہ غیر فطرتی ہیں۔ مثلاً کھانا پینا فطرتی تقاضے ہیں۔ اب یہ نہیں ہوسکتا کہ مسلمان کھائیں، عیسائی نہ کھائیں۔ عیسائی کھائیں۔ ہندو نہ کھائیں۔ بلکہ ہر ایک مذہب و قوم و ملک کے لوگ کھاتے ہیں۔ اگر کوئی شخص نہ کھائے تو اسکا مطلب یہ نہیں ہوگا کہ وہ اور چیز ہو گیا یا نہ کھانے والے کی قومیت بدل گئی بلکہ وہ اور دیگر لوگ اس کو بیمار سمجھیں گے اور وہ شخص اپنے علاج کی فکر کرے گا اور کسی طبیب کے پاس جائیگا۔ یا مثلاً غصّہ اور محبت یہ فطرتی جذبے ہیں۔ جو ہر انسان میں پائے جاتے ہیں کسی خاص قوم و ملک و مذہب سے یہ تعلق نہیں رکھتے اور اگر کسی شخص میں نہ ہوں تو جانو کہ اس کی بعض قوتیں مُردہ ہیں۔ جن کی وجہ سے ان جذبات سے خالی ہوگیا ہے۔

غرض فطرتی جذبات اور تقاضے اور ہوتے ہیں اور ذاتی اور قومی اور۔ فطرتی تقاضے سب میں پائے جاتے ہیں۔ اور غیر فطرتی خاص خاص میں۔ بعض فطرتی باتیں اسقدر عام ہیں کہ وہ نہ صرف انسانوں

میں پائی جاتی ہیں۔ بلکہ حیوانوں تک میں پائی جاتی ہیں۔ اور جو اس سے بھی بڑھکر ہیں۔ وہ نباتات میں بھی پائی جاتی ہیں۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو جذبہ یا تقاضہ فطرتی ہو۔ وہ زیادہ وسیع الاثر ہوتا ہے۔ اور اسی قدر عام ہوتا ہے۔ ان جذبات میں دو جذبے ایسے معلوم ہوتے ہیں کہ ہر انسان میں سوائے کسی خاص مریض کے سب میں پائے جاتے ہیں اور وہ یہ کہ انسان کی فطرت میں ہے کہ وہ حُسن کو ظاہر کرتا اور بُرائی کو چھپاتا ہے۔ خواہ کوئی انسان تہذیب میں اعلیٰ ہو یا ابتدائی درجہ میں ہو۔ خواہ وہ لوگ آسمانی وحی کے پیرو ہوں۔ خواہ عقل پر ہی سب مدار رکھنے والے ہوں۔ ان میں یہ بات پائی جاتی ہے کہ اچھائی کو ظاہر کرتے ہیں۔ اور برائی کو چھپاتے ہیں۔ ہر ایک مذہب یہی سکھاتا ہے اور ہر مذہب کے پیروؤں کی یہی حالت ہے۔ کوئی مذہب نہیں حتّٰی کہ سچا تو سچا۔ کوئی جھوٹا مذہب بھی ایسا نہیں۔ جو بدی کو ظاہر کرتا اور اچھائی کو چھپاتا ہو۔ جو مذہب ایسا کرتا ہے وہ ہلاک ہو جاتا ہے اور قائم نہیں رہ سکتا۔

اس جذبہ کے ماتحت عیسائی مذہب کے رومن کیتھولک فرقہ نے کن فیشن کا طریق رکھا ہے، لیکن اس میں بھی یہ بات ہے کہ ہر ایک شخص کے سامنے گناہ کے اقرار نہیں کئے جاتے۔ نہ وہ لوگ اخباروں میں اپنے جرموں کی تشہیر کرتے ہیں۔ بلکہ ہفتہ کے بعد پادری کو جا کر بتانا ہوتا ہے کہ ہم نے یہ یہ گناہ کئے مگر وہاں بھی لوگ اپنے تمام گناہ نہیں بتاتے۔ مَیں نے ایک انگریز رومن کیتھلک سے پوچھا۔ اُس نے کہا کہ ہم پادری کو وہی گناہ بتاتے ہیں۔ جن کے متعلق ہمیں یقین ہوتا ہے کہ پادری صاحب معاف کر دینگے لیکن جن کے متعلق یقین ہو کہ وہ گناہ معاف نہیں ہونگے وہ ہم پادری صاحب کو نہیں بتاتے۔ اس کے صاف یہ معنے ہیں کہ پادری کو وہ گناہ بتائے جاتے ہیں۔ جن کو پادری گناہ نہیں سمجھتا اور جن کو وہ گناہ سمجھتا ہے وہ اس کو نہیں بتائے جاتے۔ یہاں بھی اسی فطرتی جذبہ نے کام کیا۔

اس مذہب کا نتیجہ یہ ہے کہ جتنے جرائم کیتھولک ممالک میں ہوتے ہیں۔ دوسرے میں نہیں کیونکہ جو شخص مذہب کے ایک اس حکم کو توڑتا ہے کہ کسی کو نقصان نہ پہنچاؤ۔ وہ یہ حکم کہاں مان سکتا ہے۔ کہ پادری کو جرم بتاؤ۔ پس اس مذہب نے فطرت کا خفیف سا مقابلہ کیا۔ اور اس میں بھی ناکام رہا۔

پس یہ فطرتی جذبات ہیں کہ اچھائی کو ظاہر کیا جاتا ہے اور بُرائی کو چھپایا جاتا ہے، لیکن ان جذبات اور تقاضوں کی بھی حدود ہوتی ہیں۔ اور ان حدود کے اندر کام کیا جاتا ہے۔ فطرتی تقاضا یا جذبہ ہونے کے یہ معنے نہیں کہ حدود کو چھوڑ دیا جائے۔ مثلاً کھانا پینا فطرتی تقاضے ہیں۔ اب اگر کوئی شخص حد سے زیادہ کھائے گا تو بیمار ہوگا۔ اسی طرح غصہ و محبت فطرتی جذبے ہیں، لیکن اس کے یہ معنے نہیں کہ انسان

ہر وقت غصہ میں رہے۔ یا ہر ایک جگہ اور ہر کسی سے محبت کرتا پھرے۔ پس اسی طرح یہ فطرت ہے کہ خوبی کو ظاہر کیا جائے۔ اور بُرائی کو چھپایا جائے۔ لیکن ان کی بھی حدود ہوتی ہیں۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ انسان ہر خوبی کو ظاہر کرتا پھرے۔ یا ہر بُرائی چھپاتے۔ بعض خوبیاں چھپائی جانی چاہئیں۔ اور بعض نقصوں کا اظہار ضروری ہوتا ہے۔ مثلاً جن لوگوں پر کوئی ذمہ واری ملک یا قوم یا جماعت کی طرف سے عائد ہو۔ اور ان سے اس میں کوتاہی ہو۔ تو اس کا ان کو اظہار کرنا ضروری ہوتا ہے۔ مثلاً کوئی جرنیل ہو۔ اس کو حکم دیا جائے کہ وہ فلاں مقام پر جائے مگر وہ نہ جا سکے۔ یہ ایک نقص ہے اور غلطی ہے اب اس کا فرض یہ ہے کہ وہ بتائے کہ مَیں اس مقام پر نہیں پہنچ سکا۔ کیونکہ اس کی غلطی کا اثر اس کی ذات تک ہی نہیں۔ بلکہ قوم پر پڑتا ہے۔

یا جن خوبیوں کا اظہار چاہیئے اور کوئی شخص نہیں کرتا تو اس کے یہ معنے ہیں کہ وہ شخص ان کو خوبی نہیں سمجھتا۔ یا اس میں اس خوبی کے اظہار کی طاقت نہیں۔ اس کی مثال ایسی ہی ہے کہ کسی کے گھر میں خزانہ ہو۔ اور وہ اس کو نکالے نہیں۔ پس جو شخص کسی واقعی خوبی کو جس کا ظاہر کرنا فطرت میں داخل ہے۔ ظاہر نہیں کرتا۔ تو سمجھو کہ اس کے دماغ میں فتور ہے۔ کسی کا خوبی کو ظاہر نہ کرنا دو صورتوں سے خالی نہیں۔ اوّل یا تو اس شخص کو خوبی کا علم نہیں۔ دوم یا وہ شخص بیمار ہے۔ اس لیے اس خوبی کو ظاہر نہیں کر سکتا۔ بعض لوگ قتل و غارت کرتے ہیں۔ ان کا دماغ خراب ہوتا ہے اور بعض ایسے ہوتے ہیں کہ ان کو کیسی ہی غیرت کی بات ہو۔ غصہ ہی نہیں آتا۔ جن لوگوں کو مطلق غصہ آتا ہی نہیں۔ ان کو اعلیٰ درجہ کے حلیم نہیں کہا جائے گا۔ کیونکہ حیا اور چیز ہے اور نرمی اور چیز ہے۔ حیا اور شرافت یہ ہے کہ انسان اپنی خوبی پر فخر نہ کرے۔

تو خوبی کا ظاہر کرنا فطرت میں ہے۔ بعض لوگوں نے قصہ بنایا ہوا ہے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے، کہ انسان کہاں تک خوبی کے اظہار کا حریص ہوتا ہے سکتے ہیں۔ ایک عورت نے انگوٹھی بنوائی۔ وہ پہن کر بہت سی تقریبوں میں گئی۔ مگر کسی نے نہ پوچھا۔ آخر تنگ آکر اس نے اپنے گھر کو آگ لگا دی۔ عورتیں آئیں اور پوچھنا شروع کیا کہ بہن کچھ بچا بھی۔ اس نے ہر ایک کو یہی جواب دیا اور تو سب کچھ جل گیا۔ صرف یہ انگوٹھی بچی ہے۔ بعض عورتیں عجوبہ پسند ہوتی ہیں۔ وہ کسی ایسی بات پر ہر ایک صدمہ کو بھلا دیتی ہیں۔ کسی نے کہا۔ بہن یہ کب بنوائی۔ اس نے چیخ مار کر کہا کہ اگر کوئی پہلے اتنا پوچھتا تو میرا گھر کیوں جلتا۔ تو بعض لوگ خوبی کے اظہار کے لیے گھر کے جلانے تک میں کسر نہیں چھوڑتے۔ اسی طرح بعض لوگ شہرت کے لیے گھر کو آگ لگا دیتے ہیں۔ یہ بھی مریض ہیں۔ بعض لوگوں کے پاس خوبی

ہوتی ہے۔ علم رکھتے ہیں۔ پوچھا جاتے تو کہتے ہیں کہ جاہل ہیں۔ یہ انکسار نہیں بلکہ یہ کم ہمتی کہلائے گی اور اس کو عجز اور کسل کہیں گے۔ اسی طرح جو ہر ایک بات کو ظاہر کرتا ہے۔ یہ اس کا چھچھورا پن ہے۔ اگر کوئی قابل تعریف کام کرتا ہے اور ہر ایک کے سامنے ذکر کرتا ہے تو درست نہیں۔ اور اگر خوبی ہے اور اس کو بلاوجہ چھپاتا ہے تو یہ کمینگی ہے۔

غرض اچھی چیز کا ظاہر کرنا حدبندی کے ساتھ فطرت میں ہے اور ان کی حدبندی شریعت اور قانون قدرت کرتے ہیں۔ مثلاً کھانا پینا فطرت ہے۔ شریعت اور قانونِ قدرت نے حدبندی کی۔ اگر زیادہ کھائیگا تو بیمار ہوگا۔ کم کھائیگا تو مر جائیگا۔

اب ہم اسی فطرتی جذبے کے ماتحت دیکھتے ہیں کہ خدا نے ایسے زمانہ میں جبکہ صداقت مِٹ رہی تھی خُدا کا وجود پوشیدہ ہوگیا تھا۔ حقیقت نگاہوں سے غائب تھی۔ سُورج گرہن میں تھا۔ روشنی کی بجائے تاریکی ہر طرف پھیلی ہوئی تھی۔ وہ جس کو نجات دہندہ مانا گیا تھا۔ اس کے متعلق لوگوں نے فیصلہ کیا کہ اگر اس کی طرف قدم اُٹھائینگے۔ تو تباہ ہوجائینگے۔ مذہب نے جس ذات کے متعلق بتایا تھا کہ اس پر بھروسہ اور اس سے پیوند ترقیات کا ذریعہ ہے اور جس کی ذات فیوض و برکات و انعامات کا سرچشمہ اور منبع ہے۔ اس کی ذات کو لوگوں نے تجربہ کے بعد کہدیا کہ وہم ہے۔ خیال ہے اور خدا کا خیال ترقی سے روکنے والا اور ذلت کے گڑھے میں دھکیل دینے والا ہے۔ خدا پر ایمان غیر مفید اور ترقی کے رستہ میں روک قرار دیا گیا۔ تمام مذاہب کو ڈھکوسلہ کہا گیا۔

ایسے زمانہ تلاطم میں دُور اُفق سے ایک چھوٹی سی کشتی نظر آئی۔ موجیں جب بڑی بڑی طاقتوں اور جماعتوں کو مٹا رہی تھیں۔ اس چھوٹی کشتی پر ایک جری سوار ہے اور اس مضبوطی سے چپو چلا رہا ہے کہ وہ ہلاک کرنیوالی موجیں جو بڑے بڑے جہازوں کو تباہ کر رہی ہیں۔ ان پر وہ کشتی ہنس رہی ہے اور کہتی ہے کہ میرا کچھ نہیں بگڑ سکتا۔ اس نے ایسی حالت میں دُنیا کو بچانے کی کوشش کی۔ اور بتایا کہ وہ کون سی غلطیاں تھیں۔ جن کے باعث تجربہ کرنے والوں کی کوششوں کے نتائج غلط نکلے۔ وہ خدا نہ تھا لیکن خدا میں ہو کر ناخدا تھا۔ اس میں الوہیت نہ تھی لیکن وہ خُدا سے ملاتا تھا۔ وہ انسان تھا مگر انسانیت سے بالا تھا۔ تم اس ظلمت کا خیال کرو اور اس مصیبت ناک نظارہ کو سامنے لاؤ اور پھر اس کی کوششوں کو ملاحظہ کرو جب تم ان باتوں کو خیال میں لاؤ گے تو تمہارے جسم پر بال کھڑے ہوجائیں گے۔

وہ جماعت کو ایسی کشتیاں دے گیا ہے۔ جس سے جماعت نہ صرف خود بچ سکتی ہے۔ بلکہ دوسروں کو بھی بچا سکتی ہے اس نے اپنی جماعت کو قوت بازو دی اور دل کو شجاعت اور دماغ کو نُور اور فراست

اور عقل سے بھر دیا۔ اس نے ہمیں ہتھیار دیئے۔

پس ایسے محسن اور ایسے منعم کے احسان کا ذکر اور نعمت کا تذکرہ کیوں نہ ہو۔ اگر تم اس نعمت کو ظاہر نہیں کرتے۔ تو یہ دو حال سے خالی نہیں۔ یا تو تم اس کو نعمت سمجھتے نہیں یا تم بیمار ہو۔ تم پر خدا کا یہ فضل ہے کہ اس نے تمہیں اپنا مسیح موعود دیا۔ لیکن اگر اس فضل کے باوجود تم میں کوئی حرکت نہیں پیدا ہوتی۔ تو معلوم ہوگا کہ تمہاری صحت میں فتور ہے۔ یا تم کہتے ہو کہ ہم مسیح موعود کو سمجھے ہوئے ہیں مگر تم کو معلوم نہیں کہ مسیح موعود کی ضرورت کیا ہے اور اس لیے تمہیں اس کی قدر نہیں۔ اگر جوش تبلیغ نہیں۔ تو تم کو مسیح موعود کے متعلق پھر غور کرنا چاہیئے اور اپنی حالت کی اصلاح کرنی چاہیئے۔ پس اگر تم میں شکر گزاری ہے اور تم مسیح موعود کو نعمت سمجھتے ہو۔ تو تمہارا سر سجدہ میں گر جانا چاہیئے۔ اور دین کی تبلیغ میں لگ جانا چاہیئے اور اگر نہیں سمجھتے۔ تو پہلے اپنی حالت کو درست کرنا چاہیئے۔

اللہ تعالیٰ ہماری جماعت کو اس نعمت کے سمجھنے کی توفیق دے اور وہ سستی کو ترک کر دے۔"

(الفضل ۱۸، نومبر ۱۹۲۰ء)